

ڈاکٹر پروین شوکت علی

اقبال اور تصورِ قومیت

عصرِ جدید کے افکار و نظریات میں تصورِ قومیت ایک ایسا اہم نظریہ ہے جو اقبال کے لیے بہت غور و فکر اور توجہ کا باعث بنا اور انہوں نے اپنی شاعری و تقدیری بیانات اور مکتبات میں اس مسئلہ کے مختلف پسلوں پر اظہار خیال کیا ہے۔ فکرِ اقبال کے طالب علم کے لیے یہ مسئلہ عمیق دلچسپی کا موجب ہے۔ اس لیے کہ تصورِ قومیت فکرِ اقبال کے وسیع بوستان کا ایک دلکش گوشہ ہے اور ان کا کلام اور تحریریں اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں کہ اقبال نے اہل مغرب کے پیش کردہ نظریہ قومیت کی متنگنا نے کو ترک کر کے اسلامی قومیت کی عالمگیر وسعت کو قبول کر لیا۔ فکرِ اقبال میں اس نمایاں تبدیلی کا سبب معلوم کرنا اقبالیات کے طالب علم کے لیے یقیناً بہت دلچسپ ہے۔ اپنی شاعری کے پلے دُور میں اقبال مغربی تصورِ قومیت سے متاثر تھے اور بانگ درا کی ابتدائی نظمیں ان کو ایک ہندوستانی قومیت پرست شاعر کی شکل میں پیش کرتی ہیں۔ یعنی قیام پورپ کے زمانے میں انہوں نے جب اس نظریہ کا غائب مطابعہ کیا اور حالم اسلامی میں یورپی صامر ارج کی مداخلتی نامروں اور مشرق و سلطی میں قومی تحریکیں کے آغاز و فروغ کے تباہ کن تتابع دیکھئے تو ان کے نقطہ نظر میں انقلابی تبدیلی ہو گئی اور اس کے بعد انہوں نے جو نظمیں لکھیں وہ اسلامی اختیت اور ملتِ اسلامیہ کی وحدت کے جذبہ کی آئندہ دادم ہیں۔ اسلوبِ نظر کے اسی تغیر کی بنابر اقبال کو فلسفہ اسلام کا صاحبِ بصیرتِ فتح ارج اور حکیم تسلیم کیا گیا ہے اور اسی تبدیلی کی وجہ سے ان کی ہست قومیتِ نسل و دین کے علم برداروں اور قومیتِ اسلام کے حامی حق شعراوں کے درمیان یا پہ النزاع بین گئی۔ مسئلہ قومیت کے بارے میں اقبال کے افکار ہمارے لیے اس وقت اور بھی محل ہاتھنا بن جاتے ہیں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں جن اربابِ علم سے ان کا اختلاف رہا

ان میں الولکلام آزاد اور حسین، احمد دیوبندی، جلیسے ممتاز علمائی شامل ہیں۔ علامہ اقبال اور بعض ممتاز علمائے دین کے نقطہ نظر میں اس اختلاف کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ان علمائے جدید مغربی افکار کا غارہ مطہرۃ اللہ نہیں کیا تھا اور ان کی تھیں جو مقاصد کام کرئے تھے وہ ان سے واقف تھے۔ لیکن اقبال نہ صرف دینی بصیرت اور فہم و فراست میں ممتاز ترین علمائے ہم پا یہ تھے بلکہ مغربی افکار و نظریات پر بھی کامل عبور رکھتے تھے۔ اس لیے مسئلہ قومیت کے بارے میں اقبال کی روشنی فکر قوم پرست علماء کے نقطہ نظر سے متعدد تھی۔ اسلام کے اساسی اصول اور مسئلہ قومیت کا لگاؤ غائر سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت ہے کہ اس عقدہ نظری کو حل کرنے میں اقبال کی نگاہ زیادہ دوسرے اور نکتہ شناسی تھی اور ان کا حاصل تجسس دادرک ان کے حریفیوں کے نقطہ نظر کی بہانہت قرآن و سنت سے نیادوہ مطابقت رکھتا ہے۔ اقبال قرآنی نظریہ حیات کے پروپریتی تھی۔ انھیوں نے مسئلہ قومیت کو بھی اسی روشنی میں دیکھا اور اسے اپنی شاعری کا ایک اہم تمثیل موضوع بنایا۔

نظریتی اعتبار سے اقبال کی شاعری نے جو مزیدیں لے گئیں اور ان کے افکار میں جو تبدیلی ہوتی وہ سب ان کے ادبیں مجموعہ کہاں ”بانگ درا“ میں بہت واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قومی شاعری کا دور بہت جلد ختم ہو گیا اور میں نظریات ان کی شاعری کی اساس بننے۔ یہ جو ان برابر ترقی کرتا گیا اور ان کے دوسرے مجموعے اسی تنویر فکر سے روشن نظر آتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے سفر یورپ اختیار کرنے سے قبل اقبال ایک پر جوش قدم پرست تھے اور ہمارا، نیاشوالہ اور تراہ ہندی جیسی نظمیں ان کے اسی بخش قومیت میں آئیں ہیں۔ بانگ درا کی نظم ”ہمارا“ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کو مزید مہنستے کمی نہیں تھی اور اس کے قدرتی حسن و مناظر فطرت سے وہ کس قدر متأثر تھے۔ ”نیاشوالہ“ میں اقبال نے وظیفت کی اس پر اعتماد اور ہم نوائی دہم نگاہی کے بذبہ کو الجھا رہے اور مشور و مردوف تراہ ہندی جس کا پہلا شعر یہ ہے:

سارے جماں سے اچھا ہندوستان ہماں ہم بیلیں ہیں اس کی یہ گھٹمان ہما را

ایک مالیہ دل آذین نظم ہے کہ بعض ارباب پر کلم کی راستے میں آزاد و خود منتار ہندستان کا
یعنی محفوظ میں یہی قومی ترانہ ہے
ایک اور نظر نقصویر درد ” میں اقبال نے اپنے وطن کی زبوبی حالت پر جس شدت سے
اپنے احساسات کا اظہار کیا ہے اس سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو وطن سے کس قدر
محبت تھی جو دہ کہتے ہیں :

رلاتا ہے ترانلدارہ اسے ہندوستان مجھ کو کم عبرت خیز ہے تیرافسانہ سب فسانوں میں
وطن کی فکر کرنا والی ہمیت آنے والی ہے تری بربادیوں کے مشوی سے ہیں آسمانوں میں
نہ بچھو گے تو مٹ جاؤ گے اسے ہندوستان والوں تھماری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
مگر فکر اقبال کا یہ رخ عارضی تھا۔ اور وہ بہت جلد شاعر ہند کے مقام سے کناروکش
ہو کر سفیر اسلام ہو گئے۔ ۱۹۰۸ء میں وہ یورپ سے واپس آئے اور وہاں اخنوں نے
جو کچھ دیکھا اور سمجھا تھا اس کی بنا پر قومیت کے بارے میں ان کا زادیہ خیال تبدیل ہو چکا
تھا۔ اس روشنی فکر اور نظریاتی تبدیلی کے کئی اسباب تھے جس کے اثرات اور شواہد
ان کی نظر و نشر میں موجود ہیں۔

موجودہ صدی کے ابتدائی دس سال عالمی سیاست میں بین الاقوامی افراتفتری اپنے
کا زاد تھے۔ یورپ کی تمام قومیں جنہیں جاہ و ہوس اقتدار میں مبتلا تھیں جزیرہ قومیت
نے باہمی منافرت کی شکل اختیار کر لی تھی اور دو ایک دوسرے کی حریفی بنی ہوئی تھیں۔
اقبال نے قیام یورپ کے دوران میں استعمال پسند ارباب اشتادار کی انتہائی ہلاکت اور یہی
حکمت عملی کا مشاہدہ کیا تھا جو اپنی قومی برتری قائم کرنے کے لیے عالم انسانیت کو تابیرخ
السافی کی ایک مہلک ترین تباہ کاری کے لیے تیار کر رہے تھے اور قومی شوکت و شتمت کے
حسوں کے لیے سامراجی مسابقت و منافرت نے امن عالم کو ہلاکت کے تیر و تار غارہ تک
پہنچا دیا تھا۔ اقبال کی فطرت نہایت امن پسند اور صلح جو تھی اور وہ انسانی زندگی کی قدر و
منزہ است اور احترام انسانیت کے قائل تھے۔ اس لیے ان کے ضمیر نے اس عنادگاہ میسزد و
منافرت اگریز تصور قومیت سے بغاوت کی جس کے نتائج خوب ایزوں ہوں اور اتنا بڑی حیات کے

سوا کچھ نہ ہو سکتے تھے۔ باگنگ درا میں انہوں نے اس تصورِ قومیت کے نتائج بیان کیے ہیں۔ اقوامِ جہاں میں ہے رقبات تو اسی سے تین گھر ہے مقصود تجارت تو اسی سے خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے کمزور کا گھر ہوتا ہے فارت تو اسی سے اقبال نے جدید مغربی تصورِ قومیت کو ترک کر کے عالمگیر ملتِ اسلامیہ کا تصورِ قبول کر لیا اور اس کے پُر جوش مبلغ بن گئے۔ اس تبدیلی کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ اپنی غیر معمولی فرم و فراست سے انہوں نے اس حقیقت کو حربِ سمجھ لیا تھا کہ اقوامِ یورپ مشرق و مشرقی اور شمالی افریقہ کے سلمِ ممالک کے خلاف مرگرم عمل ہیں اور ان پر اپنا اسلامی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ خلافتِ عثمانیہ کو ان ممالک کے سربراہ کا رتبہ حاصل تھا مگر اس کا سيفینہ تنزل و انتظام کے گرداب میں پھنسا ہوا تھا۔ یہ شہنشاہیت مختلف ملکوں اور علاقوں دھدکوں پر مشتمل تھی اور ان کو اسلامی رشتے نے ایک وحدت بنارکا تھا۔ مغربی اقوام نے اپنے سامراجی مقاصد حاصل کرنے کے لیے اس رشتے کو ختم کرنا ضروری قرار دیا اور مغربی تصورِ قومیت کی تبلیغ و اشاعت اس اندماز میں ہونے لگی کہ مسلمان بھی اس نظریہ کو صحیح تسلیم کرنے لگے۔ اسلامی دنیا میں شع اسلام کی روشنی مدد ہو گئی تھی اور یورپ کی سامراجی قومیں کوشش کر لیں کہ مسلمان اس خلاکو مغربی افکار و نظریات کی انہی تقليد سے پُر کریں۔ مغربی سامراج کے ان ہتھکنڈوں سے اقبال بخوبی واقع تھے اور یہ جانتے تھے کہ اسلامی ممالک میں مغربی تصورِ قومیت کے فروع سے اسلامی دنیا اور مسلمانوں کو کس قدر نقصان پہنچ رہا ہے، اس لیے انہوں نے مغربی تصور کو مسترد کر دیا اور ملتِ اسلامیہ کے حالم گیر تصور کی اشاعت اور اتحاد و اخوتِ اسلامی کے فروع کو اپنی شاعری کامپنیوں پر بنایا۔ ۱۹۰۸ء میں اقبال اس مرحلہ فکر میں منزلِ حقین تک پہنچ گئے تھے کہ مغربی تصورِ قومیت انسانی مدینیت کے لیے سم قاتل ہے اور بالخصوص مسلمانوں کے لیے جن کے دینی اصول و نظریات اس تصور کے بالکل خلاف ہیں۔ جدید تصورِ قومیت سے اقبال کا تنفسِ محض آس بنا پڑنے تھا کہ وہ ملتِ اسلامیہ کی عالمگیریت کے معتقد تھے بلکہ ان کو یہ بھی حقین تھا کہ یہ تصورِ قومیت وحدتِ انسانی اور مین الاقوامی امن کے بھی منافی ہے۔ یہ

علمی نسائیت کے باہمی تعاون، وفا شعاراتی و پھر دی کا دائرہ نہایت محدود اور تنگ کر دیتا ہے اور انسانوں کے درمیان لامحدود تنازعات کا باعث بنتا ہے۔ مسئلہ قومیت پر اقبال کی تنقید اخلاقی، روحانی اور سیاسی حقائق پر ہے۔ وہ صدقۃتِ ادراک کے ساتھ یہ ایقین رکھتے تھے کہ یہ نظریہ انسانی زندگی سے اخلاقی اور روحانی قدریوں کو معدوم نہ تقویٰ کر رہا ہے اور جو سیاست اخلاقی اقدار اور دیانت کی حد بندیوں سے مجاہد اور سرکش ہو جائے وہ بیسیت کی حدود میں آجائی ہے اور کبھی امن و آشتی کے خوش گوار مانوں کی طرف انسانوں کی رہنمائی نہیں کر سکتی۔ اقبال کی حشم بصیرت نے یہ دیکھ لیا تھا کہ عصر حاضر کے انسانوں کے ذہن و ضمیر پر قومیت کا اتنا گمرا اثر ہے کہ دیلوی دیوتا کی طرح اس کی ذہنی پرستش کی جانے لگی ہے اور مذہبی اقدار کے لیے بقاد فروع کے امرکانات کم ہوتے یا رہتے ہیں۔

مغربی تصور قومیت مسلمانوں کو بست زیادہ نقصان پہنچا رہا تھا اسی لیے اقبال نے اسلامی دنیا کو اس سے بخوبی رکھنے کے لیے موثر جدوجہد کی۔ اقبال کا عقیدہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کا سیاستی رویہ نظری اور عملی دلنوں اعتبار سے مغربی اقوام سے طبعاً جدا ہے اور اس کو ہمیشہ جدابی رہا چاہیے۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو حقائق سے باخبر کرتے ہوئے یہ ایقین کی کہ :

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے تکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمیعت کا ہے ملک و نسب پرانچار قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمیعت نزی
نکر و نظر میں اس تبدیلی کے بعد اقبال ایک ہندوستانی قومیت پرست شاعر نہ رہے۔
بلکہ کار طان ملت کے حدی خواں بن گئے اور ان کا ترازو ملی اسی فکری و فہمی اور نظریہ نہ تھا۔
کی تر جانافی کرتا ہے :

پہن و برب ہمارا، ہندوستان ہاما مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہما دا
سالا رکار دا ہے مسیر جہاں اپنا اس نام سے ہے باقی آٹام جاں ہما دا
اقبال نے اس حقیقت کو خوب سمجھ لیا تھا کہ مغربی مفکرین کا پیش کردہ لا دینی اور علاقاتی تصور
قومیت کوئی منفی، خوش گوار اور امن آفرین نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ تغیریق و انتشار اور

نفرت و اختلاف پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ انہوں نے اہلِ اسلام کو آگاہ کیا کہ اگر یہ فلسفہ قومیت ان کی سیاست و معاشرت میں جاؤں یہ ہو گیا تو انھیں دخیازوں میں سے ایک ضرور بھگتا پڑے گا۔ یا تو یہ فلسفہ الحاد کا پیش خیر شابت ہو گایا اسلام مغض و مستوٰ اخلاقیات بن کر رہ جائے گا اور اہلِ اسلام کو اجتماعی زندگی کے آئین کی حیثیت گم ہو جائے گی۔ نظری قومیت اسلام کے اساسی اصولِ مساواتِ انسانی کے منافی ہے اس لیے اس کو ملتِ مسلم کی وحدت کی ممکن العمل بنیاد پر قطعاً مسترد کر دینا چاہیے۔ قرآن اور سنت کے مطابق دھرمتِ ملت نظریاتی ہونی چاہیے جس میں نسل، وطنیت اور قومیت کے یہ سب تصورات خلیل انداز نہ ہو سکیں اور ایک ایسی برادری قائم ہو جائے جس کا رابطہ اخوت مغض ایمان اور اخلاقی نقطہ نظر کی یک جماعت ہو۔

اقبال مدتِ اسلامیہ کے عالم گیر تصور پر ایمان رکھتے تھے اور بعدید تصور قومیت کو عالم انسانی اور بالخصوص مسلمانوں کی تلوی و دینی وحدت و اخوت کے لیے خطناک سمجھتے اور اس مسلم کو اتنی نیادہ اہمیت دیتے تھے کہ اسلامی ہند کی تحریکِ آزادی کے نسایت ناکِ دور میں جب کانگریس کے ہم نو بعدید مغربی تصور قومیت کی تائید میں شدت سے پر دیگنہ طریقہ کرنے لگے اور اپنے عمد کے ایک مرکز کو دنیا مولانا حسین احمد مدنی نے، جو دارالعلوم دیوبند کے سربراہ بھی تھے، اسلامی تصور کے برعکس مغربی تصور قومیت کی حمایت کی تو اقبال اس کو برداشت نہ کر سکے اور اپنی شدید علامت کے باوجود انہوں نے ایک طویل بیان میں نایت مذکول طور پر اس کی تردید کی اور ایک ایسا افاضی قطعہ تحریر کیا جو کانگریس پر دیگنہ طریقہ پر نایت کاری ضرب ثابت ہوا:

بُحْمَمْ هَنْوَزْ نَدَانَدْ رَمَوْنَزْ دَبِينَ وَرَهَ زَدِيُونَزْ صَيْنَ اَحْمَدَزْ اَيْنَ چَبُولُ الْجَبِيِّ اَسْتَ

سَرَوَدَ بَرِّ مِنْبَرِكَه مَلَتَ اَذْوَنَ اَسْتَ چَبَبَنَ بَهْرَزَ مَقَامَ تَحْمِلُ اَعْرَبِيِّ اَسْتَ

بِصَطْفَه اَمْبَرِسَالَ خَوْلِشَ رَاكَدِيَنَه اَوْسَتَ

اَگْرَبَادَنَه رَسِيدَيِّ تَمَامَ بَوِ لَبِيِّ اَسْتَ